بلوچستان، ہمارے ملک کا دل ہے!

بلوچستان حد درجہ خوبصورت علاقہ ہے۔ لوگ، بہترین اخلاق اور رواداری میں گندھے ہوئے ہیں۔ سول سروس کے طویل سفر میں، تین برس بلوچستان رہنے کا موقع ملا، اور میں اسے اپنی خوش قسمتی گردانتا ہوں۔ 1998ء میں جب پنجاب سے بلوچستان رپورٹ کرنے کا حکم ملا۔ تو دل میں عجیب وغریب وسوسے تھے۔ اجنبی علاقہ، زبان کا فرق اور رہن سہن میں شدید فرق، مگر تمام وسوسے غلط ثابت ہوئے۔ ایک بات عرض کرتا چلوں۔ سول سروس میں ایک ادنیٰ سا رجحان ہے، جب کسی افسر سے صوبائی حکومت ناراض ہو جاتی ہے تو اسے بطور سزا بلوچستان بھجوا دیا جاتا ہے۔ ویسے یہ سزا اکثر افسروں کو راس آ جاتی ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ باقی صوبوں کا تو علم نہیں مگر پنجاب میں بیوروکریسی میں کام کرنا سانپ اور سیڑھی کا خوفناک کھیل ہے۔ یہ قطعاً معلوم نہیں پڑتا کہ کس وقت، کونسی سیڑھی سانپ بن جائے اور کب کونسا زہریلا سانپ، سیڑھی کا روپ دھار لے۔ پنجاب کی افسر شاہی میں تصنع اور سازش کے رجحانات حد درجہ زیادہ ہیں۔ آج کیا حالات ہیں، مجھے معلوم نہیں؟ مگر گمان ہے کہ فطرت اور عادت، بدلتی نہیں۔ بہر حال طالب علم کوئٹہ پہنچ گیا، چیف سیکرٹری کو رپورٹ کیا۔ مقامی سروس کے ایک خوشگوار پٹھان تھے۔ حد درجہ بے تکلف انسان تھے۔ ہم پانچ افسر، ایک ہی دورانیہ میں کوئٹہ پہنچے تھے۔ پہلے ہی دن، جب رہائش کا پوچھا، تو معلوم ہوا۔ کہ جو بھی نیا افسر آتا ہے، اسے فوراً سیکرٹریٹ کے نزدیک، ریسٹ ہاؤس میں کمرا الاٹ کر دیا جاتا ہے۔ مجھے بھی ضابطہ کے تحت، کمرہ مل گیا۔ دو دن بعد، پتہ چلا کہ چیف سیکرٹری نے مجھے اپنا سٹاف افسر مقرر کر دیا ہے۔ یہ حد درجہ اہم پوزیشن تھی۔ معلوم نہیں کہ بغیر کسی سفارش یا جان پہچان کے مجھ پر کیوں یہ عنایت کی گئی؟ مگر بتدریج معلوم ہوا کہ پورے صوبے میں اکثر پوسٹنگز بغیر کسی سفارش ہی کے ہوتی ہیں۔ میرے لئے، یہ ناقابل یقین بات تھی۔ کیونکہ جس صوبے سے آیا تھا، وہاں تو بغیر سفارش کے معمولی سی پوسٹنگ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اس وقت بلوچستان کے سرکاری معاملات حد درجہ بہتر تھے۔ کم از کم، پنجاب سے تو ان کا کوئی مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دوسری بات جو شروع شروع میں عجیب معلوم پڑی۔ وہ سرکاری افسروں سے ملنے کا طریقہ تھا۔ وہاں کوئی ایسا چلن نہیں تھا کہ ملاقاتی، کاغذ کی چٹ پر نام لکھ کر اندر بھجوائے، اور پھر بلاوے کا انتظار کرے۔ کوئی بھی سائل، دروازہ کھول کر، کسی بھی افسر سے مل سکتا تھا۔ ہمارے صوبے یعنی پنجاب میں تو نچلی ترین سطح کے افسر بھی اپنے دفتر کو ''نو گو ایریا'' بنا کر سانس لیتے ہیں۔ اور چٹ کے سوا کم ہی عام لوگوں سے ملتے ہیں۔ مگر کوئٹہ بلکہ بلوچستان میں یہ غیر فطری نظام بہت ہی کم دیکھنے کو ملا تھا۔

ایک دن چیف سیکرٹری نے اتوار کو دفتر آنا تھا۔ مجھے بھی آنا پڑ گیا۔ چیف سیکرٹری نے ایک چلڈرن ہسپتال کو دیکھنا تھا، جو بیرونی امداد سے تعمیر ہوا تھا۔ میرے پاس گاڑی نہیں تھی۔ چیف سیکرٹری بھی خود گاڑی چلا رہا تھا۔ وہ اتنا تہذیب یافتہ انسان تھا کہ اپنے ذاتی ڈرائیور کی چھٹی خراب نہیں کی۔ خیر ہم دونوں، ہسپتال دیکھ کر واپس آئے۔ تو میں نے اجازت چاہی۔ چیف سیکرٹری نے پوچھا کہ آپ کے پاس گاڑی ہے۔ جواب نفی میں تھا۔ چیف سیکرٹری، خود گاڑی چلا کر مجھے ریسٹ ہاؤس چھوڑنے کے لئے آئے۔ پنجاب میں تو خیر اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ شاید آج بھی نہیں کر سکتا۔ بہر حال بلوچستان میں تعینات افسر انسان دوست تھے اور ہیں۔ اگلے دن خیر مجھے ایک پرانی سی سرکاری گاڑی مل گئی۔ جو میرے لئے کافی تھی۔ جانا کہاں ہوتا تھا۔ دفتر یا ریسٹ ہاؤس۔ چند ہفتے گزر گئے۔ اب روٹین ایسی بن گئی، کہ دن میں سرکاری کام ہوتا تھا اور شام کو ریسٹ ہاؤس میں تمام دوستوں کی مجلس منعقد ہوتی تھی۔ محسن حقانی (مرحوم)، عارف الٰہی، نصر اللہ، ناصر بلوچ (مرحوم)، اوریا مقبول جان اور کئی احباب روزانہ اکٹھے ہو جاتے تھے۔ خوب گپیں لگتی تھیں۔ وقت بڑی آسانی سے گزر جاتا تھا۔ جب ہم لوگ، کوئٹہ پہنچے۔ تو اوریا مقبول جان نے ہمارا بہت خیال رکھا۔ وہ حد درجہ مہمان نواز اور محفلی انسان تھا۔ خیر اب تو مذہب کی طرف رجحان، بہت بڑھ چکا ہے۔ مگر اس وقت ہماری ہی طرح کی سوچ کا مالک تھا۔

ایک دن شام کو اپنے دفتر بیٹھا تھا۔ اصول یہی تھا کہ جب تک چیف سیکرٹری دفتر میں براجمان ہیں۔ سٹاف افسر کی حیثیت سے مجھے بھی بیٹھنا پڑتا تھا۔ کام سمیٹنے سے پہلے، انہوں نے مجھے بلایا۔ آفس کے پیچھے ایک ریٹائرنگ روم تھا۔ وہ وہاں بیٹھے فائلیں دیکھ رہے تھے۔ میں بھی صوفہ پر بیٹھ گیا۔ چند منٹ مکمل خاموشی رہی۔ پھر کہنے لگے، کہ آپ کو میں لورالائی، ڈی سی بھجوا رہا ہوں۔ کوئی اعتراض تو نہیں۔ میں نے لورالائی کا نام پہلی بار سنا تھا۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ وہ کیسا ضلع ہے۔ اور کہاں واقع ہے۔ بہر حال میں نے کیا اعتراض کرنا تھا۔ اگلے ہی دن، مجھے ڈی سی لورالائی کے سرکاری احکامات مل گئے۔ نوٹیفکیشن کو کافی دیر گھورتا رہا۔ کیونکہ پنجاب میں تو ڈی سی لگانے کو وزیر اعلیٰ ایک احسان گردانتا تھا۔ جس میں باقاعدہ وزیر اعلیٰ، افسر کا انٹرویو کرتا ہے جو حد درجہ بے معنی اور پھسپھسا سا ہوتا ہے، کیونکہ کسی بھی وزیر اعلیٰ کا انتظامی تجربہ بس تھوڑا سا ہی ہوتا ہے۔ وہ یہی بتاتا ہے کہ آپ نے اس ضلع میں جا کر، وزیر اعلیٰ کے قریب ساتھیوں کا بہت خیال رکھنا ہے۔ ہاں کبھی کبھی، سیاسی دشمنوں کی لفظی فہرست بھی دی جاتی ہے۔ کہ ان لوگوں کا کوئی کام نہیں کرنا۔ بلکہ ان کو دفتر گھسنے بھی نہیں دینا۔

پنجاب کی نفسیات میں غصہ اور انتقام بہت زیادہ ہے۔ بلوچستان کی سرکاری سوجھ بوجھ میں رواداری اور احترام ہے۔ یہ جوہری فرق، ان لوگوں کو قطعاً سمجھ نہیں آ سکتا جنہوں نے بلوچستان میں طویل وقت نہیں گزارا۔ خیر میں اگلے ہی دن لورالائی پہنچ گیا۔ وہاں مجھے ڈیڑھ دو سال رہنے کا موقع ملا۔ لورالائی پشتون علاقہ ہے اور انتہائی خوبصورت پہاڑوں میں آباد، کافی بڑا شہر تھا۔ اپنے دورانیہ کی بابت کسی اور وقت قلم اٹھاؤں گا۔

مجھے بلوچستان رہنے کا طویل اتفاق ہوا۔ پرویز مشرف اس وقت تک حاکم بن چکے تھے۔ مگر حیرت انگیز بات یہ تھی کہ فوجی حکام کا سرکاری کام میں عمل دخل بہت محدود سا تھا۔ خودکش بمبار یا دہشت گردی نا ہونے کے برابر تھی۔ ایک دن، سابقہ وزیر اعظم ظفر اللہ جمالی سے سیکرٹریٹ میں ملاقات ہوئی۔ وہ بہت شائستہ اور دھیمے مزاج کے انسان معلوم ہوئے۔ عرض کرنے کا مقصد صرف ایک ہے۔ بلوچستان حد درجہ روایتی اور عمدہ صوبہ تھا۔ یہ تو نہیں عرض کر سکتا کہ مسائل نہیں تھے۔ مگر کوئی ایسا بڑا مسئلہ نہیں تھا جو انتظامی طور پر حل نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھے پشتون اور بلوچ، دونوں طرز کے لوگوں سے براہ راست کام کرنے کا موقع ملا۔ کبھی یہ نہیں لگا کہ میں ان کے لئے اجنبی ہوں۔ یا ان سے کوئی ذہنی دوری کا احساس ہوا ہو۔ صوبے کا گورنر بلوچ تھا۔ ریٹائرڈ چیف جسٹس تھے۔ اور براہوی زبان کے سکہ بند شاعر تھے۔ امیر الملک مینگل صاحب۔ حد درجہ سادہ اور شریف انسان تھے۔ کسی قسم کی نسلی یا علاقائی تعصب سے بالاتر تھے۔ افسروں کی عزت کرتے اور بہت احترام سے بات کرتے تھے۔ یہ سب کچھ اس لئے عرض کر رہا ہوں۔ کہ بلوچستان کے موجودہ حالات اور آج سے تین دہائیاں قبل کے حالات میں زمین آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ اب تو ہر روز کوئی نہ کوئی دہشت گردی کی خوفناک واردات، ایف سی، لیویز اور سرکاری تنصیبات پر حملوں کے علاوہ کچھ بھی سنائی نہیں دیتا۔ ایک پر امن خطہ، بارود اور خون کی بارش میں کیسے دھکیل دیا گیا۔ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب تلاش کرنا بہت ضروری ہے۔ نسلی اور قبائلی عصبیت کو کیسے دیو بنا دیا گیا۔ یہ بھی ایک المیہ سے کم نہیں۔ میرا خیال ہے کہ مرکز نے کافی حد تک بلوچستان کو وسائل فراہم کیے ہیں۔ مگر وہ زمین پر نہیں لگ پائے۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس کی بھی ایک تاریخ ہے۔ جس پر کسی وقت روشنی ضرور ڈالوں گا۔ مگر یقین نہیں آتا۔ کہ صرف بیس پچیس برسوں میں صوبے کی نفسیات ہی تبدیل ہو گئی۔ اب تو وہاں سے خیر کی خبر، آتی ہی نہیں ہے۔ مقتدر حلقوں کو میرا مشورہ ہے کہ وہ بلوچستان کے زخموں پر مرحم رکھیں۔ حقیقی یا غیر حقیقی احساس محرومی کو ہر طریقے سے دور کریں۔ بلوچستان کے نمائندوں کو فیصلہ سازی میں اہم جگہ دیں۔ ٹوڈی قسم کے سیاست دانوں کو طاقت کے مرکز سے دور کریں۔ یقین فرمائیے۔ وہاں کے عام لوگ حد درجہ محبّ وطن اور اچھے ہیں۔ وہ کسی صورت میں عسکریت پسندی کی طرف جانا نہیں چاہتے۔ انہیں امن کے دھارے میں آج بھی واپس لایا جا سکتا ہے۔ ضد اور انا کی دیوار گرائیے۔ بلوچستان کے حالات بہت حد تک ٹھیک کیے جا سکتے ہیں۔ میری نظر میں تو بلوچستان، ہمارے ملک کا دل ہے اس کے پر امن وجود کے بغیر، ہمارا ملک بالکل ادھورا ہے۔ اس خطے سے محبت کیجئے۔ یہ لوگ کبھی آپ کو مایوس نہیں کریں گے۔